ایمان جاگا

مائل خیرآبادی

چوراوراس کا بیٹا ۳
مکڑی بولی ۴
پہلوان ہار گیا ۸
وہ کہانی ۱۴
کمزور کی مدد ۱۸
استاد کی خدمت ۲۳
دیوار ۲۸

چور اور اس کا بیٹا

ایک بار ایک آدمی ایک باغ میں گیا تا کہ وہاں سے کچھ میوے چرائے اس کا ایک چھوٹا لڑکا تھا۔ جسے وہ مدد کے لئے ساتھ لے گیا۔

وہ آدمی باغ کی چہار دیواری پر چڑھ گیا اور اپنے بیٹے کو باغ کے کنارے روک دیا اور اُس سے کہہ دیا کہ اگر ہمیں کوئی دیکھ لے تو بتا دینا۔

باپ یہ کہہ کر چلا گیا۔ اچانک لڑکے نے چیخنا شروع کیا۔ ''وہ دیکھ رہا ہے۔'' یہ سن کر وہ آدمی اسی وقت جلدی سے اپنے بیٹے کے پاس گھبراتا ہوا اور ڈرتا ہوا لوٹ آیا۔ اور اس سے پوچھا:

''کون دیکھ رہا ہے۔''

لڑکے نے کہا۔ ''وہ اللہ ہے جو دیکھ رہا ہے اور سب کو دیکھ رہا ہے۔'' یہ جواب سن کر وہ شخص شرمندہ ہوا اور جہاں سے آیا تھا وہاں لوٹ گیا۔ اور اس نے چوری سے توبہ کر لی۔

☆☆☆

مکڑی بولی

''واہ میاں انور! دیکھتے بھی نہیں۔ میرا بنا بنایا گھر توڑ کر رکھ دیا۔ تمہارا کیا ہے، مجھے تو سارا گھر پھر سے بنانا پڑے گا۔ دیکھتے کیا ہو! یہ ایک باریک تار جو چھتری کی طرح تنے ہوئے تھے، یہی تو میرا گھر تھا۔ اچھا خیر، میرا گھر توڑا ہے تو تھوڑی دیر یہاں بیٹھو۔ میں اسے دوبارہ بناتی ہو۔

دیکھو میاں انور! اللہ میاں نے میرے پیٹ میں کئی تھیلیاں بنائی ہیں۔ ہر تھیلی میں کچھ تھوک سا بھرا ہوا ہے۔ کسی میں چکنا چکنا کسی میں چپچپا اور لسدار ہیں۔ جس تھیلی میں سے چاہوں، تھوک نکال لوں یہ مجھے اللہ میاں نے سکھایا ہے۔

اچھا لو، دیکھو، میں اپنا گھر بناتی ہوں۔ یہ دیکھو لسدار تھیلی سے میں نے تھوک نکالا۔ اسے ہوا میں اڑایا کیسا باریک تار بن گیا۔ اہاہا کیسا ہوا میں اڑ رہا ہے۔ یہ لو، وہ الماری کے کونے سے چپک گیا۔ اب میرا کام بن گیا۔ اگر نہ چپکتا تو میں خود اس تار پر سے اتر کر کہیں

نہ کہیں چپکا دیتی۔ اب میں اسی لسدار تھوک سے گھیرے بناتی ہوں، دیکھو یہ میرا پہلا گھیر بنا چھوٹا سا۔ اسے بھی لمبے تاروں سے روکنا پڑے گا۔ اس طرح!.....لو، یہ دوسرا گھیر بنا۔ اسے بھی لمبے تاروں سے روک دوں، نہیں تو یہ ہوا میں اِدھر اُدھر اڑے گا۔ دیکھو میں جلدی جلدی آٹھ دس گھیرے بنالوں۔

اب بھئی، اب سب گھیرے بن گئے۔ سب گھیروں کو لمبے تار روکے ہوئے ہیں اور لمبے تار سب کے سب ایک جگہ جڑے ہوئے ہیں۔ اچھا ہاں تاروں کو ذرا مضبوط تو کر دوں۔ نہیں تو میرا شکار اس میں کیسے پھنسے گا۔ یہ لو، اب میں چکنا تھوک نکالتی ہوں۔ اس سے یہ تار خوب مضبوط ہو جائیں گے۔ اب میرا گھر بن گیا۔ تم اس کو مکڑی کا جالا کہتے ہو مگر انور میاں! یہ تو میرا قلعہ ہے قلعہ! اور قلعہ بھی کاہے کا؟ جال کا۔

ارے، یہ میرا سارا گھر ہل کیوں رہا ہے؟ مجھے دکھائی کم دیتا ہے۔ ذرا دیکھو تو، کوئی شکار پھنسا ہے کیا؟ اوہو! یہ دیکھو مکھی رانی پھنسی پڑی ہیں۔ کیسا بھن بھنا رہی ہیں۔ خوب پھنسیں، لیکن اس

وقت تو مجھے بھوک نہیں ہے۔ ابھی ایک مچھر کا ناشتہ کر چکی ہوں۔ لاؤ مکھی رانی پرلسد ارتھوک کے کچھ تار لپیٹ دوں۔ جب بھوک لگے گی اس وقت مزے سے بیٹھ کر کھاؤں گی۔ اور اس مالک کے گن گاؤں گی۔ جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور میرے کھانے کا انتظام کیا۔

ارے میاں انور! تم چل دیئے۔ کیا اُکتا گئے۔ ذرا ٹھہرو۔ میرے بچپن کا قصہ سن لو۔ سنو گے تو بڑا مزہ آئے گا۔

میری ماں نے انڈے دیئے۔ انڈوں کو سیتی رہی۔ جب بچّے نکلے تو ماں نے کمر پر لا دلیا۔ لئے لئے پھری۔ دیکھ بھال کرتی رہی۔ مگر ایک عجیب بات سنو! اس نے بچوں کو کچھ کھلایا پلایا نہیں۔ ہے نا عجیب بات! تم سوچتے ہو گے پھر بچے زندہ کیسے رہے؟

انور میاں! تمہارا یہ سوچنا ٹھیک ہے۔ مگر کھلانے پلانے سے کیا ہوتا ہے۔ اصل پالنے والا تو اللہ ہے۔ کسی کو ماں باپ کے ہاتھوں کھلاتا پلاتا ہے۔ کسی کو ویسے ہی زندہ رکھتا ہے۔ مجھے ہی دیکھو، باپ کو کبھی دیکھا نہیں۔ ماں نے کچھ کھلایا پلایا نہیں۔ مگر میں اور میرے ساتھ کے بچّے بڑھتے رہے۔ بڑھتے رہے بڑھتے رہے۔ پوری

مکڑی بن گئے۔ اور اب خود شکار کرنا اور کھانا۔

اور ہاں امّی جان کی ایک بات تو بتانا رہ ہی گئی۔ ایک دن وہ ہم سب پر جھپٹ پڑیں۔ ہم بھاگے۔ میں تو پہلے ہی سے تیز تھی۔ بھاگ کر دور نکل گئی۔ جو بچے کمزور تھے وہ پیچھے رہ گئے۔ امّی جان ان کو چٹ کر گئیں۔ جی ہاں! کھا گئیں۔

دیکھا، ایسی بھی مائیں ہوتی ہیں۔ وہ دن ہے اور آج کا دن۔ میں نے تو ماں کی طرف رُخ نہیں کیا۔ ان کا نام تک نہیں لیا۔

اچھا بھائی انور! گھر توڑنے پر میں نے تم کو ٹوکا تھا۔ بُرا مت ماننا۔ بات یہ ہے کہ بلاوجہ کسی چیز کو برباد کرنا خراب کرنا اچھا نہیں۔ ہاں اگر کسی کام کے لئے چاہوں تو میرا ایک گھر کیا سو گھر حاضر ہیں۔ شاید تم نے سنا ہو۔ مڈغاسکر کے جزیرے میں لوگ میرے تاروں سے کپڑا بنا لیتے ہیں اور اسے کام میں لاتے ہیں۔ اس کام کے لئے وہ ہم کو پالتے ہیں۔ تمہارا بھی اگر کوئی کام ہو تو میں حاضر ہوں۔

اچھا خدا حافظ۔

☆☆☆

پہلوان ہار گیا

ایک پہلوان تھا۔ بڑا نامی پہلوان۔ بڑا زبردست اور طاقتور۔ بڑے ڈیل ڈول کا پہلوان۔ اس پہلوان کا نام سن کر بادشاہ نے اسے دربار میں بلایا۔ اسے انعام دیا اور اپنا درباری بنا لیا۔ اور اعلان کرا دیا کہ جو اس درباری پہلوان کو ہرا دے گا۔ اسے ایک لاکھ روپیہ انعام دیا جائے گا۔ ایک لاکھ کے لالچ میں دور دور سے بڑے بڑے پہلوان آتے۔ اس سے کشتی مانگتے۔ لیکن جب اکھاڑے میں اترتے تو دیکھتے دیکھتے ہار جیت کا فیصلہ ہو جاتا۔ اس سے ہار جاتے اور اپنا سا منہ لے کر واپس چلے جاتے۔

اب آگے سنو بچو! کہانی اب مزے دار ہوتی ہے۔

ایک دن کی بات ہے کہ بادشاہ کے دربار میں ایک دُبلا پتلا آدمی آیا اور اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں آپ کے پہلوان سے کشتی لڑوں گا اور خدا نے چاہا تو اسے پچھاڑ کر ایک لاکھ کا انعام حاصل کروں گا۔

دربار کے سارے ہی لوگ مسکرا دیئے۔ کہنے لگے کہ ماگل،

ہے۔ اسے نکال دینا چاہئے۔ لیکن جب بادشاہ نے اس سے باتیں کیں تو اس نے ایسی باتیں کیں کہ بادشاہ خوش ہو گیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا: ''تم نے میرے درباری پہلوان کو دیکھا ہے؟''

''دیکھا تو نہیں ہے۔'' وہ دُبلا شخص کہنے لگا۔ ''لیکن مجھے یقین ہے کہ میں اُسے پچھاڑ دوں گا۔''

''آخر کس بَل بوتے پر۔'' بادشاہ نے پھر پوچھا۔ جواب ملا کہ ''مجھے ایسے داؤں پیچ آتے ہیں کہ دم بھر میں بڑے سے بڑے پہلوان کو چت کر سکتا ہوں۔ آپ اپنے پہلوان کو بلوائیے۔''

اس شخص کی ضد پر بادشاہ نے پہلوان کو بلایا۔ اس دبلے پتلے شخص سے ملایا اور کہا کہ یہ تم سے کشتی مانگتا ہے۔ یہ سن کر پہلوان کو بڑا تعجب ہوا اس نے اس شخص کو دیکھ کر کہا:

''حضور! اس کا اور میرا مقابلہ ہی کیا۔ لوگ مجھے کیا کہیں گے کہ ایک دبلے پتلے آدمی سے کشتی لڑا اس سے کشتی لڑنا میری توہین ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' بادشاہ نے کہا۔

لیکن وہ شخص بول اٹھا۔ ''دیکھنے میں میں دُبلا پتلا ہوں۔ لیکن

خدا نے میرے اندر ایسی طاقت بھر دی ہے اور مجھے وہ داؤں معلوم ہیں کہ یہ پہلوان میرے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتا۔ یا تو پہلوان مجھ سے کشتی لڑے یا بغیر لڑے ہی ہار مان لے۔ تاکہ میں ایک لاکھ کا انعام حاصل کر سکوں۔''

''تو تم ایک لاکھ کے لالچ میں اپنی جان دینا چاہتے ہو۔'' پہلوان کی زبان سے نکلا۔ اُس دبلے شخص نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔ ''جان دینے یا لینے کا حال تو اکھاڑے میں معلوم ہوگا۔ لڑلو نا! جان کیوں چراتے ہو؟

اس دبلے پتلے شخص نے اور بھی کچھ اس طرح باتیں کیں تو بچّو! پہلوان کو تاؤ آ گیا۔ بادشاہ نے حکم دے دیا۔ دونوں شاہی اکھاڑے کے پاس لائے گئے۔ دونوں نے لنگوٹ کس لئے۔ اور خم ٹھونک کر آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ پھر جب بادشاہ نے حکم دیا تو دونوں نے ایک دوسرے کے آگے سلامی کے لئے اپنا اپنا ہاتھ بڑھایا۔ ہاتھ ملاتے وقت دُبلے شخص نے چپکے سے کہا۔ ''اے نامی پہلوان! میں جنگل کا رہنے والا ہوں۔ اس وقت جنگل میں ایک قافلہ بھوکا پیاسا

پڑا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں۔ اگر تو مجھ سے ہار جائے تو مجھے ایک لاکھ کا انعام مل جائے گا اور میں لے جا کر قافلے والوں کو دے دوں گا اللہ تعالیٰ تجھ سے خوش ہوگا۔''

پہلوان نے یہ سنا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اس نے کہا۔ ''اے شخص! تو جیتے گا لیکن بادشاہ کو دکھانے کے لئے اکھاڑے میں پھرتی ضرور دکھاؤں گا۔ جب میں تیرے پاس آؤں تو مجھ پر جھپٹنا۔ کچھ دیر کے بعد میں چت ہو جاؤں گا۔''

سنا بچّو تم نے! درباری پہلوان اپنا نام اپنے ہاتھوں مٹانے پر تیار ہو گیا۔ آپ سمجھے کیوں؟ صرف اللہ کو خوش کرنے کے لئے اور غریبوں کا پیٹ بھرنے کے لئے۔

ہاں بچّو! تو پھر کشتی ہونے لگی۔ پہلوان اُچھل اُچھل کر کود کود کر داؤں کرنے لگا۔ دبلا پتلا آدمی بھی جھپٹ جھپٹ کر اسے پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ کبھی کبھی دونوں گتھ بھی جاتے۔ کبھی وہ نیچے تو یہ اوپر، کبھی وہ اوپر تو یہ نیچے۔ پہلوان سب کو دکھانے کے لئے اس طرح حرکتیں کر رہا تھا، جیسے وہ پوری طاقت لگا رہا ہو۔ ہاں بچّو! اس نے اپنا چہرہ بھی ایسا ہی بنا لیا، کچھ دیر کے بعد پھر جب دونوں گتھ گئے

تو پہلوان اوپر تھا اور دُبلا پتلا شخص نیچے۔ نیچے سے اس نے پکڑ کر پہلوان کو اُلٹا تو پہلوان چت ہو گیا۔ وہ دبلا پتلا آدمی اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اور بادشاہ کو سلام کیا۔

''واہ واہ'' کی آوازیں چاروں طرف سے بلند ہوئیں۔ لوگوں نے بڑھ کر اس شخص کو ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ پہلوان آنکھیں بند کئے اکھاڑے میں پڑا رہا۔ وہ شخص دربار میں پہونچایا گیا۔ وہ وہاں سے انعام لے کر جنگل چلا گیا۔ بہت دیر کے بعد پہلوان اکھاڑے سے اٹھا۔ آج وہ جدھر سے نکلا۔ لوگوں نے اس کی طرف انگلیاں اٹھائیں۔ اس کی ہنسی اڑائیں۔ اس پر باتیں بنائیں۔ پہلوان یہ سب سنتا ہوا گھر پہونچا۔ وہاں گھر والوں نے اس کا مذاق اڑایا۔ پہلوان یہ سب سہتا رہا۔ دل ہی دل میں کہتا رہا کہ اللہ کو خوش کرنے کے لئے یہ سب سنوں گا لیکن بھید نہ کھولوں گا۔

دن بیتا۔ رات آئی، پہلوان گھر سے نکلا۔ رات کو اچانک اسے خیال آیا۔ جب اللہ کی خوشی کے لئے اس شخص سے ہار گیا تو اللہ ہی کی خوشی کے لئے اب عمر بھر سارے کام کرنا چاہئے۔ اور یہ جاننا چاہئے

کہ اللہ کس بات سے خوش ہوتا ہے۔

تو بچّو! جانتے ہو صبح کے وقت کیا ہوا۔ صبح ہوئی تو وہ پہلوان ایک مولوی صاحب کے پاس گیا اور کہا کہ میری ساری دولت لے لیجئے۔ اور مجھے قرآن وحدیث کی باتیں پڑھا دیجئے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ دولت کی مجھ کو ضرورت نہیں ہے۔ میں تم کو مفت میں پڑھادوں گا۔''

یہ سن کر اس پہلوان نے اپنی ساری دولت خیرات کر دی اور دین کا علم سیکھنے لگا۔ دین کا علم سیکھ کر وہ اتنا بڑا عالم ہوا کہ اس زمانے میں دوسرا عالم ایسا نہ تھا۔

پیارے بچّو! لوگ کہتے ہیں کہ یہ قصہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ وہ پہلے پہلوانی کرتے تھے۔ اور وہی ایک دُبلے پتلے آدمی سے آپ ہار گئے تھے۔ اس کے بعد اللہ ان سے ایسا خوش ہوا کہ وہ سب سے بڑے عالم اور بزرگ مانے گئے۔ آج بھی جب ہم ان کا نام لیتے ہیں تو کہتے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ یعنی ان پر اللہ کی رحمت ہو۔

☆☆☆

وہ کہانی

''ابّا جان! وہ کہانی سنایئے۔''

''کون سی کہانی؟''

''خرگوش والی!''

''کس خرگوش والی؟''

''جس کے دو بچّے تھے۔''

''دو بچّے بہت سے خرگوشوں کے ہو سکتے ہیں۔''

''ارے وہ خرگوش! جو کئی دن گم رہا تھا۔''

''یہ تو سبھی خرگوش کرتے ہیں۔''

''اُونھ ابّا جان! وہ جو خرگوش کا جوڑا تھا نا! پھر وہ آپ سے آپ نہ جانے کہاں چلا گیا۔ یاد آیا آپ کو؟''

''ہاں ہاں پھر؟''

''پھر یہ کہ ایک دن ایک سوراخ پر اس کے دو بچّے بیٹھے دکھائی دیئے۔''

''خرگوش کے بدلے بچّے!''

''ہاں ابّا جان! آپ نے ہی بتایا تھا کہ جب خرگوش بچّہ دینے کو ہوتے ہیں تو زمین میں دور تک سوراخ کر کے ایک جگہ گڈھا بنا لیتے ہیں۔ اور سوراخ کو اس طرح بند کر دیتے ہیں کہ کوئی نہ دیکھ سکتا ہے۔ نہ جان سکتا ہے۔

''اچھا تو یہ تم کو یاد رہا۔''

''جی ہاں ابّا جان! مجھے یہ بھی یاد ہے کہ وہ جو دونوں بچّے تھے ان میں ایک بڑا شریر تھا۔''

''تو اس شریر بچّے کا حال تم کو معلوم ہے؟''

''جی ہاں! آپ نے بتایا تھا کہ ان بچّوں کی ماں نے دونوں کو منع کیا تھا کہ ابھی گھر سے باہر کھیلنے مت جانا۔''

''گھر؟ ان کا گھر کون سا؟''

''ان کا گھر وہی گڑھا۔''

''ٹھیک ہے پھر کیا ہوا؟''

''پھر یہ ہوا کہ وہ جو اچھا بچّہ تھا وہ تو ان کا کہنا مانتا، مگر وہ

شریر بچّہ کہنا نہ مانتا۔ ایک دن اُچکتا ہوا دو چار قدم سوراخ سے آگے بڑھ گیا۔ ماں دوڑ کر پکڑ لائی۔ تو رونے لگا اور بولا کھیلنے بھی نہیں دیتیں۔''

''ماں نے باہر کھیلنے سے کیوں منع کیا تھا؟''

''ماں کو معلوم تھا کہ بلّی نے دیکھ لیا تو پھر خیر نہیں۔ دبوچ ہی لے گی۔ پھر اس سے کون چُھڑائے گا۔''

''بڑی اچھی نصیحت کی تھی ماں نے۔''

''جی ہاں! مگر وہ جو شریر بچّہ تھا۔ کہنے لگا: بلّی ولّی تو کہیں نہ تھی۔ دوسرے دن دس پانچ گز دور چلا گیا اور اپنے گھر چلا آیا۔'' اور بولا کہ دیکھو امّی! بلّی کہیں بھی نہیں، تم مجھے کھیلنے سے کیوں منع کرتی ہو؟''

''پھر کیا ہوا؟''

''پھر ایک دن وہ شریر بچّہ دور تک کھیلنے چلا گیا۔ وہاں کہیں بلّی نے دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ جھپٹ پڑی اور دبوچ کر لے گئی۔''

بڑا بے وقوف تھا وہ بچّہ۔ جو بچّہ اپنی ماں کا کہنا نہیں مانتا اس کا یہی حال ہوتا ہے۔

''جی ابّا جان! اور کیا۔''

''تو یہی کہانی سناؤں میں!''

''اب کیا، وہ میں نے ہی کہہ دی۔''

''تمہاری یاد اچھی ہے۔ شام کو میں کوئی دوسری کہانی سناؤں گا۔ اچھا!''

''جی اچھا!''

''اور اسے اسی طرح یاد کر لینا۔''

''جی ہاں! ضرور یاد کرلوں گا۔''

''یہ تو کہو ان شاءاللہ یعنی اگر اللہ نے چاہا۔''

''انشاءاللہ ضرور یاد کرلوں گا۔''

''شاباش!''

☆☆☆

کمزور کی مدد

چنگیز خاں کا نام تم نے سنا ہوگا۔ یہ ایک مشہور اور زبردست بادشاہ گذرا ہے۔ یہ منگولیا کا بادشاہ تھا۔ منگولیا ہمارے ملک سے بہت دور اُتّر یورپ میں ایک ملک ہے۔ آٹھ سو برس ہوئے جب چنگیز حاں منگول قوم کا سردار تھا۔ اسے اپنی سلطنت بڑھانے کا بڑا شوق تھا۔ اسی لئے اس نے دور دور تک دھاوے بولے۔ اس وقت ایشیا کے زیادہ تر ملکوں میں مسلمان بادشاہوں کی حکومتیں تھیں۔ چنگیز خاں کو زیادہ تر مسلمان بادشاہوں سے لڑنا پڑا اور اس کے ہاتھوں لاکھوں مسلمان مارے گئے۔

اسی زمانے کا ایک عجیب واقعہ ہم نے کتابوں میں پڑھا۔ چنگیز خاں جس ملک کو فتح کرتا تو اسے برباد کر دیا کرتا۔ شہروں میں گھس کر قتلِ عام کا حکم دیتا۔ پھر بچّے، عورتیں کوئی منگولوں کی تلوار سے نہ بچتا۔ مسلمان بے چارے اس کے نام سے کانپتے تھے۔ اور

اِدھر اُدھر چھپے چھپے اور بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔

منگولیا کے دکھن پچھّم میں ایک ملک ہے خراسان۔ خراسان کے جنگلوں اور ہری بھری جگہوں میں ایک قبیلے کے لوگ رہا کرتے تھے۔ یہ سب مسلمان تھے۔ اس قبیلے کا سردار سلیمان تھا۔ سلیمان نے جب یہ سنا کہ چنگیز خاں خراسان کی طرف بڑھ رہا ہے تو وہ اپنے قبیلے کو لے کر پچھّم کی طرف چل دیا۔ اس نے اپنے بیٹے ارطغرل کو ۴۴۴ سپاہی دے کر آگے آگے چلنے کو کہا۔ اس کا مطلب یہ کہ ارطغرل آگے یہ دیکھتا رہے کہ کوئی خطرہ تو نہیں ہے اور راستہ اطمینان سے طے کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ بچّو! ایک لفظ کے معنیٰ یاد کرلو۔ ایسے لوگوں کے جتھے کو ''ہراول'' کہتے ہیں۔ اب کہیں پڑھنا کہ کسی لشکر کے سپہ سالار نے ہراول آگے بھیج دیا تو یہی سمجھنا کہ ایسے سپاہیوں کا جتھا جو آگے راستہ پہلے سے دیکھتے رہیں۔

اچھا تو ارطغرل ۴۴۴ جوانوں کے ساتھ آگے آگے جا رہا تھا۔ وہ اپنے باپ سلیمان سے بہت آگے بڑھ گیا۔ راستے میں اس کا کسی سے ٹکراؤ نہ ہوا۔ وہ برابر آگے بڑھتا رہا اور سلیمان کو خبر دیتا گیا کہ

بے کھٹکے چلے آیئے۔

ارطغرل چلتے چلتے، چلتے چلتے ایک میدان میں پہنچا۔ اس میدان میں دو فوجیں لڑ رہی تھیں۔ ارطغرل نے اپنے جوانوں کو روکا۔ دور سے یہ دیکھنے اور غور کرنے لگا کہ کون کس سے لڑ رہا ہے؟ وہ یہ تو نہ سمجھ سکا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ ایک فوج والے کمزور پڑ رہے ہیں اور ہار کر بھاگنے ہی والے ہیں۔ یہ سمجھ کر اس کے دل میں یہ بات آئی کہ کمزور کی مدد کرنی چاہئے۔ کمزور کی مدد کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔ بس یہ خیال آنا تھا کہ وہ اپنے ۴۴۴ جوانوں کو لے کر اس فوج پر ٹوٹ پڑا جو جیت رہی تھی۔

اس اچانک حملہ سے جیتنے والی فوج گھبرا گئی۔ بہت کوشش کی کہ اس اچانک حملے کو روکے۔ لیکن دیکھتے دیکھتے ارطغرل اور اس کے سپاہیوں نے سیکڑوں کی گردنیں اڑا دیں اور وہ جیتنے والے ہار کر بھاگے۔

جب وہ ہار کر بھاگ گئے تو ارطغرل نے اپنے جوانوں کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور یہ سوچنے لگا کہ میں نے کس کی مدد کی؟ واہ کیسی مزے

کی بات ہے۔ ایسی ہی مزے دار بات وہ ہے کہ وہ لوگ جو ہار رہے تھے یہ سوچ رہے تھے کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جو اچانک ہماری مدد کو آ گئے۔ دونوں طرف یہ سوچتے دیر نہ لگی کہ ادھر سے ارطغرل بڑھا کہ معلوم کرے اس فوج کا بادشاہ کون ہے اور اُدھر سے اس فوج کا بادشاہ بڑھا کہ وہ بھی اپنے محسن (احسان کرنے والے) سے ملاقات کرے۔

بیچ میدان میں ارطغرل اور بادشاہ کی ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ بادشاہ علاؤ الدین کیقباد سلجوقی ہے اور وہ جس فوج سے لڑ رہا تھا وہ چنگیزی فوج تھی۔ ارطغرل یہ جان کر بہت خوش ہوا کہ جس کی مدد کی وہ ظالم نہ تھا بلکہ مظلوم تھا اور مسلمان تھا۔

ارطغرل نے یہ خبر اپنے باپ کو دی جو پیچھے اپنے قبیلے کے لوگوں کو لئے ہوئے آ رہا تھا۔ خبر پا کر وہ جلدی جلدی بڑھا۔ علاؤ الدین سے ملا۔ علاؤ الدین ان سب کو اپنی راجدھانی قونیہ میں لے گیا۔ بڑی خاطر سے سب کو اتارا۔ پھر ارطغرل کو انگورہ شہر کا حاکم بنا کر بھیج دیا اور سلیمان کو اپنی فوج کا سب سے بڑا افسر بنا دیا۔

ایسی ہی اچانک ہونے والی اچھی بات کو حسنِ اتفاق کہتے ہیں۔ ہم اسی کو اللہ کی مدد کہتے ہیں۔ جب اللہ کی مدد آتی ہے تو اسی طرح کامیابی ہوتی ہے۔ جھونپڑوں کے رہنے والوں کو محل ملتے ہیں اور بازی دیکھتے دیکھتے جیت لی جاتی ہے۔

☆☆☆

استاد کی خدمت

ارشد جب تک مکتب میں پڑھتا رہا۔ پڑھنے لکھنے میں بڑا تیز رہا۔مکتب میں اچھے نمبروں سے پاس ہوا تو درسگاہ اسلامی میں پڑھنے گیا۔ایک سال تک وہاں بھی اچھا خاصا تیز رہا۔لیکن پھر کھیل کود میں پڑ گیا۔کھیل کود میں وہ تعلیم بھی بھولا۔اسے ہوش اس وقت آیا جب سالانہ امتحان میں بری طرح فیل ہو گیا۔اردو اور دینیات میں تو اسے کچھ نمبر مل گئے۔لیکن تاریخ، جغرافیہ میں تہائی سے بھی کم نمبر آئے۔ اور حساب اور عام معلومات میں صِفر ہی رہا۔ یہ نتیجہ سامنے آیا تو ارشد کو بڑا دکھ ہوا۔اس نے شرم کے مارے درسگاہ جانا چھوڑ دیا۔

ایک دن وہ مجھ سے ملا۔ میں نے حال پوچھا۔تو اس نے بتایا کہ پچھلے سال فیل ہو گیا۔ پھر جب درس گاہ گیا اور اپنے درجہ میں بیٹھا تو لڑکوں نے اس کی ہنسی اڑائی اور ماسٹر صاحب کچھ خفا خفا ہی رہے۔ یہ دیکھ کر جانا بند کر دیا۔

ارشد کی یہ اداسی دیکھ کر مجھے بڑا رنج ہوا۔ میں نے سمجھایا۔
''ارشد! تم پچھلے سال فیل ہو گئے، اس سے ہمت نہ ہارو، اور لڑکوں کے کہنے کا اثر نہ لو۔ پڑھنے ضرور جاؤ۔''

اس طرح میں نے سمجھایا تو وہ بولا۔ چچا میاں! بات یہ ہے کہ ماسٹر صاحب بات بات پر جھڑکتے ہیں اور شرم دلاتے ہیں۔ لیکن میں ہر مضمون میں کمزور ہوں، کیا کروں۔ چاہتا ہوں کہ محنت کروں مگر سب کے برتاؤ سے ہمّت ٹوٹ گئی۔''

یہ سن کر میں نے اس سے کہا۔ ''دیکھو، تم یہ کرو، درس گاہ جاؤ، درجہ میں بیٹھو اور اپنے ماسٹر صاحب کی خدمت کرو۔ وہ کسی ضرورت کے لئے کسی لڑکے کی طرف اشارہ کریں، تو کام کرنے کے لئے دوڑ پڑو۔ میرا خیال ہے کہ پندرہ بیس دن ہی میں ماسٹر صاحب تم پر مہربان ہو جائیں گے۔ پھر میں تم کو دوسری ترکیب بتاؤں گا۔''

میرے کہنے اور سمجھانے سے ارشد پھر درس گاہ جانے لگا۔ دوسرے تیسرے دن وہ مجھ سے ملتا اور حال بتاتا کہ آج میں نے ماسٹر صاحب کی فلاں خدمت انجام دی۔ آج فلاں کام کر دیا۔ اب

میں سب سے پہلے درجے میں جاتا ہوں۔ ماسٹر صاحب کی میز صاف کر کے ان کی کتابیں سلیقے سے رکھ دیتا ہوں۔''

آٹھ دس دن کے بعد ارشد نے کہا۔''اب ماسٹر صاحب کچھ کچھ مجھ پر مہربان معلوم ہوتے ہیں۔ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ ارشد! جب تم پڑھنے میں اس قدر کمزور ہو کہ درجہ پنجم تو الگ رہا درجہ سوم کے لائق بھی نہیں ہو تو اپنا وقت کیوں برباد کر رہے ہو؟ کوئی کام دیکھو میں نے ماسٹر صاحب کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔''

ارشد اپنی رپورٹ مجھے سناتا رہا۔ جب وہ چپ ہوا تو میں نے اس سے کہا''اب جب ماسٹر صاحب یہی بات کہیں تو تم یہ کہنا کہ کچھ دنوں اور درس گاہ آتا ہوں۔ پھر جب دیکھوں کہ سچ مچ نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ رہوں گا۔'' سوچتا ہوں کہ پڑھ نہ سکوں تو نہ سہی، جب تک درس گاہ آتا ہوں اس وقت تک استاد کی خدمت ہی کر لوں۔ جب درسگاہ سے جاؤں تو استاد کو خوش کر کے جاؤں۔''

اب دیکھئے، دوسرے تیسرے ہی دن ماسٹر صاحب نے پھر وہی بات کہی اور جب ارشد نے میری بتائی ہوئی بات ان سے کہی

تو ماسٹر صاحب سوچ میں پڑ گئے۔ ارشد کا کہنا ہے کہ پھر ماسٹر صاحب بولے ''اچھا ارشد! تم ایسا کرو۔ چھٹی کے بعد آدھ گھنٹہ روز ٹھہر جایا کرو۔ میں تمہارے وہ مضمون ٹھیک کرادوں گا، جن میں بہت کمزور ہو۔''

ارشد چھٹی کے بعد ٹھہر جاتا۔ ماسٹر صاحب نے اسے جانچا۔ پھر جس مضمون میں جہاں سے وہ کمزور تھا، وہیں سے بتانا اور سمجھانا شروع کر دیا۔ اس طرح چار پانچ مہینے ماسٹر صاحب نے توجہ دی اور ارشد نے دھیان دے کر پڑھا تو درجہ میں کچھ کچھ چلنے لگا۔ جب چھ ماہی کا امتحان ہوا تو وہ پاس ہو گیا۔

اس طرح ماسٹر صاحب نے سال بھر اسے مدد دی۔ ارشد نے بھی خوب محنت کی اور ماسٹر صاحب کی خدمت بھی۔ سالانہ امتحان میں وہ سکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہوا۔ میرے پاس خوش خوش آیا، بولا۔ ''چچا میاں! آپ نے بڑا اچھا نسخہ بتایا۔ اب میں سمجھا کہ استاد کی خدمت کرنے سے کتنا فائدہ ہوتا ہے۔ میں تعلیم میں ہی تیز نہیں ہوا۔ میری کئی برائیاں دور ہو گئیں۔ پھر ماسٹر صاحب نے عام

معلومات کا مضمون اس طرح پڑھایا کہ مجھے بہت سے ایسے حالات معلوم ہو گئے جو دوسرے طلباء کو نہیں معلوم۔ خاص طور پر وہ باتیں جو ماسٹر صاحب باتیں کرتے کرتے مجھے بتاتے تھے۔ جیسے ہمارے چاروں اماموں نے پڑھنے میں جو محنت کی اور انھوں نے اپنے استادوں کی دعائیں لیں۔ ان سب کا سبب یہی خدمت تھی۔ جو انھوں نے استادوں کی کی۔ میرا خیال ہے کہ جو طالب علم چاہتا ہے کہ وہ تعلیم میں اچھا رہے اور وہ نیکیاں بھی حاصل کر سکے۔ اسے چاہئے کہ اپنے استاد کا ادب کرے استاد کی خدمت کرے یہی تعلیم حاصل کرنے کی کنجی ہے۔''

ارشد نے یہ بتایا تو میں بہت خوش ہوا۔ میں نے اسے مبارک باد دی اور اس سے کہا۔ ''جاؤ خدا کا شکر ادا کرو اور تم جانو..... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی استاد کا ادب اور ان کی خدمت کرنے کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی ہے۔ اس لئے میں نے تم کو یہ نسخہ بتایا۔ الحمد للہ کہ یہ نسخہ کام کا ثابت ہوا۔

☆☆☆

دیوار

رمضانی دوڑا ہوا میرے پاس آیا۔ وہ گھبرایا ہوا تھا۔ کہنے لگا۔

''بابو جی! خاں صاحب اپنی دیوار پر چھپر نہیں رکھنے دیتے۔''

''کیا کہتے ہیں وہ؟'' میں نے رمضانی سے پوچھا۔

''وہ کہتے ہیں اپنی دیوار اٹھا کر اس پر چھپّر رکھو۔''

رمضانی سے یہ سنا تو میں نے اسے ڈھارس بندھائی۔ ''گھبراؤ نہیں رمضانی! اللہ اچھا ہی کرے گا۔ میں ابھی جا کر خاں صاحب سے ملوں گا۔''

رمضانی اپنے کھنڈر کی طرف چلا گیا۔ کھنڈر میں ایک جھونپڑا تھا مگر بڑا بے تکا تھا جھونپڑا۔

اصل میں یہ میں نے اسے بتایا تھا کہ اب کی بار چھپّر بڑا سا بنانا اور خاں صاحب کی دیوار پر رکھ لینا۔ اس بیچارے نے چھپّر تیار کیا اور اب جو اسے رکھنے کی نوبت آئی تو اسے روکا گیا۔ اپنی جگہ میں بھی میں افسوس کرتا وہاں سے چلا آیا۔ گھر آ کر رمضانی کو بلایا اور اسے

اس طرح تسلّی دینے لگا۔

''رمضانی! خاں صاحب تو کسی طرح نہ مانے۔ خدا کی مصلحت کچھ اسی میں ہے کہ تم اپنی دیوار بناؤ اور دیکھو، ہائے واویلا مت کرو۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔''

''بابو جی! میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں، دیوار کیسے اٹھاؤں؟ وہ اداس ہو گیا اور سر پر ہاتھ رکھ کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ میں نے اس سے کہا ''جاؤ بھٹہ پر جاؤ اور دو گاڑی چوکے (بڑی اینٹیں) کا آرڈر دے آؤ اور حساب میرے نام لکھوا دینا اور شبراتی معمار کو بلا لو اس کے ساتھ خود جٹو اور جلدی سے دیوار بنا لو۔ جو خرچ ہو مجھ سے لے لینا، پھر جب اللہ دے تو دے دینا۔ میں تم سے مانگوں گا نہیں۔''

رمضانی مجھے دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔ مجھے خاں صاحب پر غصّہ آ رہا تھا۔ پڑھے لکھے آدمی اور ان میں اتنی بھی ہمدردی نہیں کہ پڑوسی کے ساتھ سلوک کر جائیں۔ میں نے دل میں طے کر لیا کہ رمضانی میری رقم ادا تو نہ کر سکے گا۔ مگر چلو اس طرح اللہ کے یہاں

کچھ نہ کچھ ثواب تو لکھ ہی جائے گا اور میری بات رہ جائے گی۔

دوسرے دن صبح ہی صبح رمضانی دوڑتا ہوا میرے پاس آیا۔ کچھ کچھ شرمایا۔

رمضانی کے جانے کے بعد میں خاں صاحب کے گھر گیا۔ میں نے انھیں سمجھایا کہ رمضانی غریب آدمی ہے۔ آپ کا بڑا احسان مانے گا، اسے اپنی دیوار پر چھپّر رکھ لینے دیجئے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کے بڑے حق رکھے ہیں۔ فرمایا کہ اپنی دیوار میں کیلیں گاڑنے سے پڑوسی کو منع نہ کرو۔

میں نے اس طرح خدا اور رسول کے واسطے دیئے۔ خوشامد بھی کی۔ لیکن خاں صاحب تو خاں صاحب ہی تھے۔ مرغے کی ایک ہی ٹانگ والی مثل جو منہ سے نکل گیا، پتھر کی لکیر ہو گیا۔ کہنے لگے بابو جی! میں کیلیں گاڑنے سے منع نہیں کرتا۔ رمضانی ایک نہیں دس کیلیں گاڑ لے، لیکن میں اپنی دیوار پر قبضہ کرنے نہیں دوں گا۔''

''قبضہ!'' میری زبان سے نکلا۔ میں نے کہا۔ خاں صاحب! غریب آدمی ہے وہ قبضہ کیسے کر سکتا ہے جب کہ محلّہ ٹولے کے سبھی

لوگ جانتے ہیں کہ آپ کی دیوار ہے اور پھر آپ کے مکان کا تو نقشہ بنا ہوا موجود ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب آپ کہیں گے، چھپّر ہٹوا دیا جائے گا۔ اب برسات کا زمانہ ہے، بیچارے کی مدد کیجئے، اللہ آپ کو بڑا ثواب دے گا۔

میں نے اس طرح بہت سمجھایا، مگر خاں صاحب مانے ہی نہیں۔

بولا: ''بابو جی! میرے ساتھ آیئے۔''

''کیا ہے رمضانی؟''

''بابو جی! بس جلدی میرے ساتھ آیئے۔''

میں رمضانی کے ساتھ ہولیا۔ راستہ میں بار بار پوچھنے پر بھی اس نے کچھ نہ بتایا۔ اپنے کھنڈر میں لے گیا۔ یہ کھنڈر رمضانی ہی کا تھا۔ اس کے باپ دادا کا کچا مکان اسی میں بنا تھا جو گر گیا تھا۔ رمضانی مجھے ساتھ لے کر اس جگہ پہنچا، جہاں وہ نیو (بنیاد) کھود رہا تھا۔ نیو کے اندر اس نے ایک جگہ کی مٹی ہٹائی اور مجھ کو دکھاتے ہوئے بولا، یہ دیکھئے بابو جی! یہ کیا ہے؟''

''کیا ہے رمضانی؟'' کہتے ہوئے میں نے ہاتھ لگایا تو نیو میں گگرا دبا ہوا تھا۔ میں نے رمضانی سے کہا۔ ''اس کے اندر کیا ہے؟''

وہ مسکرایا اور میرے کان میں کہا۔ ''چاندی کے روپئے ہیں بابو جی!''

''تو پھر کیا ہے۔ اب تمہاری چاندی ہے۔ مزہ کرو اور دیکھا تم نے۔ میں جو کہتا تھا کہ اس میں بھی کچھ اچھائی ہی ہے۔ خدا کی مصلحت کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ خدا کو منظور تھا کہ یہ رقم تم کو ملے۔ خاں صاحب دیوار پر چھپّر رکھنے کو منع نہ کرتے تو تمہیں یہ دولت کہاں سے ملتی۔ اچھا میں چلا۔ تم کو مبارک ہو لیکن بھائی! ذرا ہوشیاری سے نکالنا، آپے سے باہر نہ ہو جانا سمجھے!''

''ہاں بابو جی! سمجھا اور یہ بھی میری سمجھ میں آ گیا کہ خدا کی مصلحت میں کوئی نہ کوئی بہتری ہوتی ہے، چاہے وہ مصلحت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔''

میں رمضانی کے کھنڈر سے چلا آیا۔ اس کے بعد کچھ ہی دنوں میں لوگوں نے دیکھا کہ جس جگہ کھنڈر تھا وہاں ایک محل کھڑا ہے۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ بابو جی نے اپنی بات رکھنے کے لئے ہزاروں روپیہ دے دیا۔

☆☆☆